مرزا فرحت اللہ بیگ

(1884 – 1947)

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کرنے کے بعد ہندو کالج سے 1905 میں بی۔اے پاس کیا۔ 1907 میں وہ حیدر آباد گئے اور مختلف ملازمتوں پر مامور رہے اور ترقی کرتے کرتے اسسٹنٹ ہوم سکریٹری کے عہدے تک پہنچے۔ 1919 میں انھوں نے اپنا سب سے پہلا مضمون رسالہ ''افادہ'' آگرہ میں لکھا۔ اور 1923 سے باقاعدہ مضامین لکھنے لگے۔ انھوں نے تنقید، افسانہ، سوانح حیات، معاشرت اور اخلاق ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا اور اچھا لکھا لیکن ان کے مزاحیہ مضامین سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضامین سات جلدوں میں 'مضامینِ فرحت' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ نظم کا مجموعہ 'میری شاعری' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس میں بھی مزاحیہ رنگ نمایاں ہے۔

ہنسنے اور ہنسانے کا کوئی اصول مقرّر نہیں ہوسکتا۔ تمام مزاح نگار اپنا انداز جدا رکھتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا بھی ایک مخصوص رنگ ہے جسے عظمت اللہ بیگ نے ''خوش مذاقی'' کہا ہے۔ خوش مذاقی میں قہقہے کے مواقع کم اور تبسم کے زیادہ ملتے ہیں۔ ان کے یہاں ایسا انبساط ملتا ہے جسے دیرپا کہا جا سکتا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کی مزاح نگاری میں دلّی کے روز مرہ اور محاورات کا لطف پایا جاتا ہے۔ وہ اکثر ایسے محاورات اور الفاظ اپنی تحریر میں لاتے ہیں جو دلّی کے لوگ گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون ان کی انھیں خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔

© NCERT not to be republished

پھول والوں کی سیر

یہ جڑوں ہی کی مضبوطی تھی کہ دلّی کا سرسبز وشاداب چمن اگر چہ حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں پائمال ہو چکا تھا پھر بھی کسی بڑی سے بڑی طاقت کی ہمّت نہ ہوتی تھی کہ اس برائے نام بادشاہ کو تخت سے اُتار کر دلّی کو اپنی سلطنت میں شریک کرے۔ دلّی کے بادشاہ کا اقتدار ضرور کم ہو گیا مگر جو عقیدت رعایا کو بادشاہ سے تھی اُس میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا اور جو محبت بادشاہ کو رعایا سے تھی وہ جیسی کی ویسی رہی۔ رعایا کی وہ کون سی خوشی تھی جس میں بادشاہ حصّہ نہ لیتے ہوں اور بادشاہ کا وہ کون سا رنج تھا جس میں رعایا شریک نہ ہوتی ہو۔ بات یہ تھی کہ دونوں جانتے اور سمجھتے تھے کہ جو ہم ہیں وہ یہ ہیں اور جو یہ ہیں وہ ہم ہیں۔

اگر یہ دیکھنا ہو کہ اس زمانہ میں پھول والوں کی سیر کیسی ہوتی تھی تو ذرا آنکھیں بند کر لیجیے۔ میں دکھائے دیتا ہوں۔

قلعہ والوں کی یہ حالت تھی کہ گویا شادی رچی ہوئی ہے۔ چوڑی والیاں بیٹھی دھانی چوڑیاں پہنا رہی ہیں۔ رنگریزنیں سُرخ دوپٹے رنگ رہی ہیں۔ کہیں مہندی پس رہی ہے۔ کہیں کڑاہیاں نکالی جا رہی ہیں۔ کہاں کا کھانا اور کہاں کا سونا۔ اسی گڑبڑ میں رات کے بارہ بجا دیے۔ کوئی دو بجے ہوں گے کہ سواری کا بگل ہوا۔ قلعہ کے لاہوری دروازہ کے سامنے نوبت خانہ سے ملا ہوا جو میدان ہے۔ اس میں سواریاں آلگیں۔ تین سوا تین بجے ہوں گے کہ پہلی رتھ روانہ ہوئی۔ آگے آگے تھیں اُن کے پیچھے دوسری سواریاں سب سے آخر میں نواب زینت محل کا سکھپال۔ لاہوری دروازہ پر سواری پہنچی تھی کہ کپتان ڈگلس

قلعدارنے اتر کر سلامی دی۔ دروازہ کے باہر سے دگلہ پلٹن کا ایک پرا آگے ہولیا اور ایک پیچھے،شہزادیوں کی سواری کے ادھر ادھر قلمانیاں مردانہ لباس پہنے کھڑکی دار پگڑیاں باندھے، ساتوں ہتھیار سجائے ساتھ ہوئیں۔ بیگمات کی سواریوں کو ترکنوں کی پلٹنوں نے بیچ میں لیا۔ ان کا بھی مردانہ فوجی لباس، گورے گورے چہرے۔ شانوں پر کاکلیں پڑی ہوئیں۔ سر پر چھوٹا سا عمامہ، پہلو میں تلوار، ڈاب میں پیش قبض بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ ترکوں کی فوج دلّی میں گھس آئی ہے۔ نواب زینت محل کی سواری کا بڑا ٹھاٹ تھا۔

غرض سواری مبارک ان سڑکوں پر سے گزر کر دلّی دروازہ پہنچی۔ محافظوں نے سلامی دی اور جلوس سلطان جی کی سڑک پر پڑ لیا۔ سورج نکلنے سے پہلے پہلے سواری پرانے قلعہ پہنچ گئی۔ شیر شاہ کی مسجد کے سامنے ہوادار رکھا گیا۔ بادشاہ سلامت نے مسجد میں نماز پڑھی۔ وظیفہ پڑھا۔ کوئی گھنٹہ آدھ گھنٹہ قیام کر کے یہاں سے سواری بڑھی اور ابھی دن پوری طرح نہ نکلا تھا کہ ہمایوں کے مقبرہ پہنچ گئی۔ درگاہ شریف قریب ہی ہے۔ تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ دلی والوں کو خاص اس درگاہ سے جو عقیدت ہے وہ بیان نہیں ہو سکتی۔ کسی قوم اور کسی ملّت کا آدمی نہیں جو اس چوکھٹ پر سر نہ جھکاتا ہو اور کوئی بدنصیب ہی ہوگا جو یہاں سے نامراد جاتا ہو۔

گرم گرم پکوان آرہا ہے، لوگ کھا رہے ہیں۔ جھولا جھول رہے ہیں۔ کوئی اندر سے کی گولیاں منہ میں دبائے ہے۔ کسی کے حلق میں بیسن کی پُھلکی پھنس گئی ہے۔ سانس رکا جاتا ہے۔ مینھ برس کر نکل گیا تھا۔ پھر بھی پانی کی بوندیں درختوں میں سے ٹپ ٹپ گر رہی تھیں۔ ادھر بوند کڑاہی میں گری۔ تیل اڑا۔ ادھر کسی کے منہ سے اوئی کی آواز نکلی۔ کسی کے ہاتھ پر چھینٹا پڑا۔ کوئی اوئی توبہ ہے، کہہ کر رہ گئی۔ کوئی کلّہ سہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوسروں نے پھر پکڑ یہ کہہ بٹھا لیا کہ واہ بوا، نوج کوئی ایسا نازک بن جائے۔ چھینٹا پڑتا ہی ہے۔ یوں کڑاہی چھوڑ کر کوئی نہیں اٹھ کھڑا ہوتا۔

مہرولی کے بازار کی کچھ نہ پوچھو۔ اس سرے سے اس سرے تک سارا آئینہ بند تھا۔ دنیا بھر کے سودے والوں کی دکانیں لگ گئی تھیں۔ میوے مٹھائیوں اور کھلونوں سے بازار پٹا پڑا تھا۔ ایک طرف حلوائیوں کے ہاں پوریاں کچوریاں، بیوڑیاں، سہال اور اندر سے تلے جا رہے تھے تو دوسری طرف کبابوں، پراٹھوں، بریانی، مزعفر، مُتنجن کی خوشبو سے سارا بازار بڑا مہک رہا تھا۔ گاہک کہ ٹوٹے پڑتے ہیں۔ لیا کھایا۔ پتّے وہیں پھینک آگے بڑھے۔ پنواڑن کی دکان پر پہنچے بی پنواڑن ہیں کہ بالوں میں تیل ڈالے کنگھی کیے، آنکھوں میں سرمہ لگائے، دانتوں میں مسّی ملے، بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھی پان بنا رہی ہیں۔ یار لوگوں نے پان لیے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے۔ پیک تھوکی، آگے بڑھے۔ پھول والوں کی دکانوں سے گجرے لیے، گلے میں ڈالے۔ ساقی کے پاس ٹھہرے۔ ایک دو پیسے دیے۔ آگے قدم بڑھایا۔ ساقی کا رنگ بھی آج کچھ نیا ہے۔

غرض خلقت کا یہ ہجوم پھوار میں بھیگتا خس کے پنکھے جھلتا۔ آہستہ آہستہ مہرولی کی سڑک پر سے گزرا۔ یہ جلوس شاہی

© NCERT not to be republished

دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ بادشاہ سلامت اوپر کی بارہ دری میں برآمد ہوئے۔ بیگمات کے لیے چلمنیں پڑ گئیں۔ اب ساری بھیڑ سمٹ سمٹا کر بابِ ظفر کے سامنے آ گئی۔ پھاٹک کے سامنے بڑا کھُلا میدان تھا۔ یہاں باجے والوں نے اپنے کمال دکھائے۔ اکھاڑے والوں نے اپنے ہاتھ دکھائے۔ سب کو حسبِ مراتب انعام ملا۔ کسی کو سیلا ملا۔ کسی کو دوشالہ ملا۔ کسی کو مندیل ملی۔ کسی کو کڑے ملے۔ اتنے میں پنکھا بھی سامنے آ گیا۔ شہر کے شرفا اور امرا مجرا بجالائے۔ اوپر سے سارے مجمع پر گلاب پاشوں سے گلاب اور کیوڑہ چھڑکا گیا۔ عطر اور پان سے تواضع کی گئی۔ بادشاہ کے اشارہ کرتے ہی ولی عہد بہادر نیچے اتر آئے۔ لوگوں کے گلے میں پھولوں کے کنٹھ ڈال کر سب کو رخصت کیا۔ یہاں سے سلاطین زادے اور شہزادے بھی جلوس کے ساتھ ساتھ ہو گئے۔ کوئی بارہ بجے ہوں گے کہ پنکھا جوگ مایا جی پہنچ گیا۔

خیر، درگاہ شریف تو قریب ہی تھی۔ لوگ دس بجے پنکھا چڑھا کر فارغ ہو گئے اور یہاں سے نکل سیدھے شمسی تالاب پہنچے۔ تھوڑی دیر میں بادشاہ سلامت کی سواری بھی آ گئی۔ بیگمات کے لیے جہاز پر چلمنیں پڑ گئیں وہ اندر جا بیٹھیں۔ بادشاہ سلامت نے مہتابی پر جلوس کیا۔ مصاحبوں اور دہلی کے اکثر امرا و شرفا کو اوپر بلا لیا گیا۔ سارے سیلانی تالاب کے کنارے جم گئے۔ تالاب میں سینکڑوں کشتیاں، بجرے اور نواڑے پہلے ہی سے پڑ گئے تھے۔ آدھوں میں شاہی آتش باز سوار ہو کر ایک طرف چلے گئے۔

آتش بازی کی چمک سے سارا تالاب اور کنارے روشن ہو جاتے تھے اور پانی میں روشنی کے عکس۔ کشتیوں کے سائے، کناروں پر خلقت کے ہجوم، ان کے غُل۔ آتش بازی کے عکس سے ان کے زرد زرد چہروں اور اوپر دھوؤں کے بادلوں نے ایک عجیب خوفناک منظر پیدا کر دیا تھا۔

غرض دو بجے کے قریب آتش بازی ختم ہوئی۔ بادشاہ سلامت کی طرف سے شال دوشالے، مندیلیں اور سیلے تقسیم ہوئے۔ کہیں تین بجے جا کر لوگوں کو فرصت ہوئی۔ سب اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا پڑے۔ بادشاہ سلامت کی سواری رات ہی کو قطب سے نکل گئی اور روشن چراغ دہلی ہوتی ہوئی تیسرے پہر تک دہلی آ گئی۔ دوسرے روز لوگوں نے صبح ہی صبح اٹھ میوے، مٹھائیاں، پراٹھے، چھلّے اور کھلونے خریدے۔ ٹھنڈے ٹھنڈے نکل اپنے گھروں کا راستہ لیا۔ شام تک مہرولی سنسان اور دہلی آباد ہو گئی۔

(مرزا فرحت اللہ بیگ)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

سرسبز	:	ہرا بھرا
چمن	:	باغ
حوادث	:	حادثے کی جمع
پائمال	:	پاؤں سے روندا ہوا
اقتدار	:	حکومت
نوبت خانہ	:	جہاں نوبت بجے
سکھپال	:	ایک قسم کی پالکی
پرا	:	فوج کی ٹکڑی
قلمانیاں	:	سپاہی پیشہ عورتوں کا ایک دستہ
کاکل	:	بال
ڈاب	:	کمر بند
پیش قبض	:	خنجر، چھرا
ہوادار	:	ایک قسم کی سواری جسے کہار اٹھاتے ہیں
عقیدت	:	احترام
اندرسے	:	چاول اور تیل سے بنی مٹھائی
کلّہ	:	گال

© NCERT not to be republished

نوج	:	عورتوں کے روزمرہ میں شامل جس سے ناگواری کا اظہار ہوتا ہے۔
سہال	:	ایک قسم کی تلی ہوئی میٹھی روٹی
مزعفر	:	زعفرانی رنگ کا میٹھا پلاؤ
متنجن	:	میٹھا پلاؤ
ساقی	:	حقّہ پلانے والا
خلقت	:	مخلوق
خس	:	خوش بودار گھاس کی جڑ
بارہ دری	:	بارہ دروازوں والا مکان
چلمن	:	چق، تیلیوں کا بنا ہوا پردہ
سیلا	:	رومال
دوشالہ	:	بڑی اونی چادر
مندیل	:	میز پوش، رومال
گلاب پاش	:	وہ صراحی نما برتن جس میں عرقِ گلاب بھر کر چھڑکتے ہیں
کنٹھ	:	گلا
مہتابی	:	اونچا چبوترا
مصاحب	:	بادشاہ یا حکمراں کے خاص دوست
سیلانی	:	گشت کا شوقین
بجرے	:	(بجرا کی جمع) کشتی
نواڑے	:	ایک قسم کی کشتی
آتش باز	:	آتش بازی بنانے والا
چھلّے	:	چھلّا کی جمع، انگوٹھی

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ آخری مغل بادشاہ کے دور کی دلّی کی کیا خصوصیات تھیں؟

2۔ مصنف نے پھول والوں کی سیر کا کیا منظر پیش کیا ہے؟

3۔ مہرولی کے بازار کا کیا نقشہ تھا؟

4۔ جلوس نے بادشاہ سے کیا انعام پایا؟

5۔ مہرولی میں شاہی دروازہ پہنچ کر باب ظفر کا کیا منظر پیش کیا گیا ہے؟

6۔ جوگ مایا مندر اور درگاہ شریف کا پھول والوں کی سیر سے کیا خاص تعلق ہے؟

7۔ شمسی تالاب پر پھول والوں کی سیر کا کیا جشن ہوتا تھا؟

زبان وقواعد

☆ نیچے لکھے جملوں کی وضاحت کیجیے۔

- دلّی کے بادشاہ کا اقتدار ضرور کم ہوگیا مگر جو عقیدت رعایا کو بادشاہ سے تھی، اس میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا۔
- مہرولی کے بازار کی کچھ نہ پوچھو۔ اس سرے سے اس سرے تک سارا آئینہ بند تھا۔ میوے مٹھائیوں اور کھلونوں سے بازار پٹا پڑا تھا۔ کبابوں، پراٹھوں، بریانی، مزعفر، متنجن سے سارا بازار مہک رہا تھا۔
- بادشاہ سلامت اوپر کی بارہ دری میں برآمد ہوئے۔ بیگمات کے لیے چلمنیں پڑ گئیں۔ اب ساری بھیڑ سمٹ سمٹا کر باب ظفر کے سامنے آ گئی۔
- بادشاہ سلامت نے مہتابی پر جلوس کیا۔ مصاحبوں اور دہلی کے اکثر امرا و شرفا کو اوپر بلایا گیا۔ سارے سیلانی تالاب کے کنارے جم گئے۔

☆ نیچے لکھے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

پائمال ہونا	آنکھیں بند کرنا	ٹھاٹ ہونا	سر جھکانا	نامراد جانا
آئینہ بند ہونا	پٹا پڑا ہونا	ٹوٹ پڑنا	مجرا بجالانا	

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی کے رہنے والے تھے۔انھیں دہلی کی زبان پر قدرت حاصل تھی۔اس مضمون میں اس دور کی دلّی کی تہذیبی اور معاشرتی جھلکیاں اپنی بہار دکھاتی ہیں۔ بادشاہ اور رعایا کا باہمی ربط و تعلق اور محبت دیدنی تھی۔ پھول والوں کی سیر کا میلہ ہماری گنگا جمنی تہذیب کا نمونہ ہے۔یہ روایت آج تک زندہ ہے۔ہر سال پھول والوں کی سیر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ہماری تہذیبی روایت کا یہ تسلسل ہمیں قومی ،بھائی چارہ اور مساوات کا پیغام دیتا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کا یہ مضمون تہذیبی اور تاریخی نوعیت کا حامل ہے جس میں اس دور کی دہلی کی زبان،روز مرّہ ،سیر و تفریح ، ماحول،ملبوسات،مشاغل کی تصویریں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں اور گزرا ہوا زمانہ زندہ ہو جاتا ہے۔

عملی کام

☆ مصنف نے دلّی کی معاشرتی زندگی کی جن مختلف اشیا کا ذکر اس مضمون میں کیا ہے، انھیں اپنے الفاظ میں لکھیے۔

☆ موجودہ دور میں پھول والوں کی سیر کی کیا اہمیت ہے؟ مختصراً لکھیے۔

© NCERT not to be republished